سائمن کمیشن اور پنجاب کونسل

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَالنَّاصِرُ

سائمن کمیشن اور پنجاب کونسل

سائمن کمیشن (SIMON COMMISSION) کے پنجاب آنے پر ممبران پنجاب کونسل نے فیصلہ کیا تھا اور میرے نزدیک نہایت صحیح فیصلہ کیا تھا کہ پنجاب کونسل کمیشن سے تعاون کرے گی اور اس کی خواہش کے مطابق اپنے میں سے سات آدمی مقرر کرے گی تا کہ وہ سائمن کمیشن سے مل کر پنجاب کے مطالبات پر غور اور فکر کریں۔ اس ریزولیوشن کے مطابق پچھلے دنوں کونسل نے سات آدمی مقرر کئے ہیں جن میں سے تین ہندو' ایک سکھ' ایک انگریز اور دو مسلمان ہیں۔ اس فیصلہ پر مسلم اخبارات میں خصوصاً اور مسلم پبلک میں عموماً اظہار ناراضگی ہو رہا ہے اور میرے نزدیک مسلمانوں کا اس فیصلہ پر ناراض ہونا درست اور جائز ہے۔

اس فیصلہ کا مُضِرّ اثر

موجودہ صورت معاملات یہ ہے کہ مسلمان جو اس صوبہ کی آبادی کا پچپن فیصدی ہیں ان کے نمائندے تیس فیصدی سے بھی کم ہیں اور ہندو جو اٹھائیس فیصدی ہیں ان کے نمائندے بیالیس فیصدی ہیں۔ اگر گورنمنٹ کی طرف سے ایسا کیا جاتا تب بھی یہ ایک خطرناک بات تھی لیکن موجودہ صورت میں تو اس فیصلہ پر مسلمان ممبران کی رضامندی کی بھی مہر ثبت معلوم ہوتی ہے پس ظاہرہ طور پر ہماری پوزیشن یہ ہے کہ مسلمان اپنی مرضی سے اس ادنیٰ درجہ کو قبول کر چکے ہیں۔

موجودہ فیصلہ میں یہ خطرناک نقائص ہیں کہ اول تو مسلمانوں کو وہ حق نہیں ملا جو ملنا چاہیئے تھا۔ اگر صوبہ کی آبادی کا لحاظ رکھا جاتا تو انہیں چار ممبر ملنے چاہئیں تھے اور اگر ان حقوق

کو مدّ نظر رکھا جاتا جنہیں گورنمنٹ تسلیم کر چکی ہے تو انہیں تین ممبر ملنے چاہئیں تھے لیکن ملے انہیں کُل دو ہیں۔ اور یہ تعداد اس قدر قلیل ہے کہ اس کا خیال نہ گورنمنٹ کو تھا، نہ ہندوؤں کو۔ کوئی بھی تین ممبروں سے کم کی امید نہ رکھتا تھا۔ پس ایک تو اس فیصلہ سے ہمارے اس دعویٰ کو صدمہ پہنچ گیا کہ ہم اپنی تعداد کے مطابق حق مانگتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بغیر احتجاج کرنے کے ایک ادنیٰ مقام پر راضی ہو جاتا ہے تو دوسرے لوگ بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کو ادنیٰ درجہ دینے میں چنداں ہرج یا خوف کا مقام نہ ہو گا۔ پس جب مسلمان سات میں سے دو نمائندوں پر راضی ہو گئے ہیں تو یقیناً گورنمنٹ اور کمیشن کے دل میں خیال پیدا ہو گا کہ یہ لوگ گو زیادہ کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ان کے اندر سچی خواہش اس امر کی نہیں ہے ورنہ کیوں یہ اس مقدار سے تھوڑی تعداد پر راضی ہو جاتے ہیں جس سے زیادہ کا حاصل کرنا ان کے اختیار میں تھا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ گورنمنٹ نے ہمیں اپنے قانون سے ایسا بے بس بنا رکھا ہے کہ اپنی تعداد کے مطابق حق نہیں لے سکتے کیونکہ گو ہم اپنی تعداد کے مطابق حق نہ لے سکتے ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تین ممبریاں ضرور لے سکتے تھے مگر ہم نے اس قدر بھی نہیں لیں اور اپنی مرضی سے نہیں لیں۔ پس ہماری مذکورہ بالا دلیل عقلمندوں کیلئے ہرگز حُجّت نہ ہوگی اور ہماری نسبت یہی سمجھا جائے گا کہ ہم اپنے جائز اور ضروری مقام کے حصول کے لئے اس قدر بے تاب نہیں ہیں جس قدر کہ ہم ظاہر کرتے ہیں یا یہ کہ ہم اس مقام کے حصول کے قابل ہی نہیں ہیں۔

دوسرا نقص اس فیصلہ کی وجہ سے یہ پیدا ہو گیا ہے کہ ہم نے اپنی آواز کو خود ہی کمزور کر لیا ہے۔ چوہدری چھوٹو رام صاحب کا انتخاب گو زمیندار پارٹی کی طرف سے ہوا ہے لیکن ہر اک شخص جانتا ہے کہ عملاً انہیں مسلمانوں نے منتخب کیا ہے اور وہ مسلمانوں کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ مسلمانوں کے حقوق کی پوری نیابت کریں گے یا کر سکتے ہیں؟ کیا ان سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ پورے طور پر اس سوال پر زور دیں گے کہ مسلمانوں کے حقوق کو پچھلی دفعہ پامال کیا گیا ہے اور اب اس کا ازالہ کیا جانا ضروری ہے کیا وہ یہ کہیں گے کہ مجلس اور ملازمت اور قضاء میں مسلمانوں کی کمیِ تعداد کو فوراً پورا کیا جائے۔ اور ہندوؤں نے جو ان محکموں پر قبضہ کیا ہوا ہے اس سے انہیں آہستگی سے لیکن قطعی طور پر دست بردار کیا جائے۔ کیا کبھی بھی کسی قوم کے فرد سے خواہ وہ کس قدر بھی تعلق دوستی رکھنے

والا ہو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی قوم کے متعلق ایسی بات کہے گا اور خصوصاً ایسے شخص سے جو انتخاب کے ذریعہ سے کونسل میں آیا ہو اور آئندہ اس نے آنا ہو۔ زیادہ سے زیادہ چوہدری چھوٹو رام صاحب سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ یہ کہہ دیں گے کہ زمینداروں کو ان کا پورا حصہ ملے۔ لیکن کیا مسلمان ممبران کونسل اب تک یہ بھی نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے اس مطالبہ سے بھی ہندوؤں نے فائدہ اٹھایا ہے اور کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ہندو زمیندار بھی اس قدر مل سکتے ہیں کہ بغیر مسلمانوں کو ان کا حق دینے کے زمینداروں کے حقوق کے مطالبہ کو پورا کر دیا جائے۔ اب یہی ہو رہا ہے کہ جس جس صیغہ میں زمینداروں کی تعداد بڑھانے پر زور دیا جاتا ہے بجائے مسلمان زمینداروں کو بڑھانے کے ہندو زمینداروں کو بڑھایا جا رہا ہے اور پہلی صورت سے صرف اس قدر فرق ہے کہ ہندو شہری کی جگہ ہندو دیہاتی آ رہا ہے۔ اور ہندو دیہاتی دلیری سے کام کرنے میں ہندو شہری سے بڑھا ہوا ہے۔ اور شہری اگر خفیہ کام کرتا تھا تو یہ صاف مسلمان امیدوار کو کہہ دیتا ہے کہ میرے دفتر میں مسلمان کے لئے جگہ نہیں ہے۔

غرض چوہدری صاحب سے جو کچھ امید کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ زمینداروں کو ان کا حق ملنا چاہئے لیکن یہ امید کرنا کہ وہ مسلمانوں کے متعلق یہ کوشش کریں گے کہ ہندوؤں کو ان کے موجودہ اجارہ حکومت سے علیحدہ کر کے ان کی آبادی کے مطابق ہر شعبۂ حکومت میں حصہ دیا جائے ایک حد سے بڑھا ہوا مطالبہ اور عقل سے بعید امید ہے۔ خصوصاً جب کہ چوہدری صاحب کو گو مسلمانوں نے منتخب کیا اور نمائندہ چنا ہے مگر ان کا انتخاب مسلمانوں نے بحیثیت مسلمان نہیں بلکہ بحیثیت زمیندار کیا ہے۔ پس چوہدری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ زمینداروں کی تائید میں مجھ سے جو چاہو کہلا لو مگر مسلمانوں کے حقوق کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ مجھے کسی اسلامی پارٹی نے نہیں بلکہ زمیندار پارٹی نے منتخب کیا ہے۔

جب حالات یہ ہیں تو سمجھا جا سکتا ہے کہ چوہدری چھوٹو رام صاحب جو کچھ مسلمانوں کی تائید میں کہہ سکتے ہیں وہ اس قدر نہیں کہ جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ لیکن جس امر میں وہ ہماری مخالفت کرنے پر مجبور ہونگے اس کا سخت نقصان پہنچ جائے گا کیونکہ کہا جائے گا کہ یہ مسلمانوں کے نمائندہ کی رائے ہے۔ پس اس انتخاب سے ہم نے اپنی رائے کو نہایت کمزور کر لیا ہے۔

تیسرا نقصان ہمیں اس انتخاب سے یہ پہنچا ہے کہ ہم نے اس انتخاب سے اس دلیل پر تبر

رکھ دیا ہے جس پر ہمارے مطالبات کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوؤں نے اپنے پچھلے اعمال سے اپنے آپ کو قابلِ اعتماد ثابت نہیں کیا بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر ہمیں یہ تلخ تجربہ ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں اس انتخاب کے بعد ہم اس دلیل کو کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔ انگریزی دماغ جو مذہبی تعصب کو سمجھنے سے قاصر ہے اور سیاسیات میں مذہبی سوال کو لانے سے گھبراتا ہے جب اس پر یہ نقش خود ہمارے انتخاب سے پڑے گا کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ ہندوؤں پر اعتماد کر سکتے ہیں بلکہ انہیں ایسے نازک موقع پر جب کہ ان کی قوم کی زندگی اور موت کا سوال تھا نمائندہ مقرر کر سکتے ہیں تو یقیناً ان کا رجحان ادھر ہی ہو گا کہ عدم اعتماد محض ایک بہانہ ہے اور صرف مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ قطع نظر لیاقت کے ان کے نالائق آدمی بھی عہدے پا سکیں ورنہ ہندوؤں سے ان کو کوئی حقیقی ضرر نہیں پہنچ رہا۔ اب اگر یہ خیال کمیشن کے ممبروں کے دل میں پیدا ہو جائے اور اس انتخاب کے بعد اس قسم کا خیال پیدا ہو جانا بعید نہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ ہماری تمام اس جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلے گا جو ہم مسلمانوں کی اقتصادی اور سیاسی غلامی کے خلاف کرتے چلے آئے ہیں کیا وہ سب کی سب باطل نہ جائے گی۔

اس جگہ کہا جا سکتا ہے کہ اس انتخاب کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ کمیشن کے ممبر یہ سمجھیں کہ مسلمان ہندوؤں سے نیک سلوک کرتے ہیں لیکن وہ ان سے نیک سلوک نہیں کرتے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ قومی نیابت کے سوال میں دوسری قوم کے آدمی کو نمائندہ بنانا نیک سلوک نہیں کہلاتا بلکہ اس کے صریح یہ معنی ہیں کہ ہم اس پر کُلّی طور پر اعتماد کرتے ہیں اور اسے اپنے آدمیوں سے اچھا سمجھتے ہیں یا یہ کہ ہم بیوقوف ہیں اور اپنے بُرے بھلے کو نہیں سمجھ سکتے اور ان دونوں نتائج میں سے جو بھی کمیشن کے ممبر نکالیں مسلمانوں کے حق میں اچھا نہ ہو گا۔

صدائے احتجاج کی غلطی

غرض یہ تین نقصان ہیں جو اس انتخاب سے مسلمانوں کو پہنچے ہیں اور کوئی شخص بھی غور کرنے کے بعد ان نقصانات کی صحت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ کہنے سے نہیں رُک سکتا کہ کونسل کے فیصلہ کے خلاف جو احتجاج کی آواز بلند کی گئی ہے وہ بھی درست نہیں۔ اول تو بعض لوگوں نے یہ بات تحریر و تقریر کے ذریعہ سے مشہور کر رکھی ہے کہ گویا یہ انتخاب کسی سازش کے ذریعہ سے ہوا ہے حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ سازش بھی طاقت کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کرنا کہ عزیز مکرم

چوہدری ظفراللہ خان صاحب' سردار سکندر حیات خان صاحب اور چوہدری چھوٹو رام صاحب کو ایسی طاقت حاصل تھی کہ وہ سازش سے لائق آدمیوں کو انتخاب سے محروم کر سکتے تھے یا یہ کہ مسلمانوں کو مناسب حقوق ملنے سے روک سکتے تھے ایک ایسی بات ہے جسے کوئی انسان باور نہیں کر سکتا۔ ان تینوں صاحبان میں سے ایک صاحب ہندو ہیں' دوسرے پنجاب کے ایک کونے کے رہنے والے ہیں اور تیسرے احمدی ہیں۔ اور احمدیت لوگوں کی توجہ کو پھیرنے کی بجائے آج کل مخالفت کے اُکسانے کا موجب ہو جاتی ہے پھر دونوں مسلمان جونیر ہیں اور سیاسیات کے میدان میں بالکل نئے۔ پس ان کا انتخاب اگر ہوا ہے تو ان کی لیاقت کی وجہ سے یا ذی اثر لوگوں کی سازش سے۔ اور دونوں صورتوں میں ان ممبروں پر کوئی الزام نہیں آ سکتا۔ علاوہ ازیں واقعات سے ثابت ہے کہ انتخاب کے وقت چوہدری ظفراللہ خان صاحب مجلس میں موجود ہی نہ تھے۔ انہیں بعد میں معلوم ہوا ہے کہ ان کا نام منتخب ہو گیا ہے اور اس کے بعد بھی انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے دو دفعہ استعفیٰ دینے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ پس جو الزامات نمائندوں پر لگائے جاتے ہیں بالکل درست نہیں ہیں۔

غلطی کی اصل وجہ

اصل میں اس تمام غلطی کی وجہیں تین ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کی وہ پالیسی ہے جو انہوں نے میاں سر فضل حسین صاحب کی قیادت میں اصلاحات کے دورہ کی ابتداء سے اختیار کی اور دوسرے بعض ممبروں کی بائیکاٹ کی پالیسی جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اصل میں حق تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے چار ممبر منتخب ہوتے لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ تین سے زیادہ کا انتخاب ناممکن ہو گیا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہر ممبر کے انتخاب کے لئے سات ووٹوں کی ضرورت تھی لیکن کُل تئیس ممبر مسلمانوں کے ساتھ تھے کیونکہ پانچ عدم تعاونی ممبر ووٹ دینے سے مجتنب رہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو اس پر واویلا کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کو نقصان پہنچایا گیا ہے اور دوسری طرف اس نازک موقع پر ووٹ دینے سے اجتناب کر کے خود مسلمان ممبروں نے مسلمانوں کو ان کے حق سے محروم رکھا ہے۔ اگر عدم تعاونی اس وقت اپنی ذمہ واری کو سمجھتے تو چار مسلمانوں کا منتخب ہونا یقینی تھا لیکن ان کی بائیکاٹ کی پالیسی جو موسم اور غیر موسم ظاہر ہوتی رہتی ہے اس وقت بھی نہایت بے موقع ظاہر ہوئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ مسلمان ممبر کونسل میں جاتے ہیں دوسرے موقعوں پر ووٹ بھی دیتے ہیں لیکن جس وقت مسلمانوں کی آئندہ بہبود

کا سوال آتا ہے تو وہ بائیکاٹ کا فیصلہ کر دیتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ میں ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ مسلمانوں نے انہیں اسی غرض سے کونسل میں بھیجا تھا کہ وہ عین اس وقت جب کہ مسلمانوں کے آئندہ حقوق کا سوال پیش ہو روٹھ کر بیٹھ جائیں اگر وہ ذرہ بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ اپنی غلطی کو محسوس کریں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت انہوں نے مسلمانوں کا فائدہ کرنے کی بجائے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

دوسرا سبب میں نے بتایا تھا کہ وہ پالیسی ہے جو مسلمان ابتدائے اصلاحات سے پنجاب میں اختیار کر چکے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ کونسلوں کی ابتداء میں میاں سر فضل حسین صاحب نے دیکھا کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ نے پورے حق نہیں دیئے اور باوجود پنجاب میں کثیر التعداد ہونے کے کونسلوں میں وہ قلیل التعداد ہیں اور شاید انہیں حکومت میں کوئی حصہ نہ ملے۔ تب انہوں نے آہستہ آہستہ ایک زمیندار پارٹی تیار کی اور ہندوؤں میں سے کچھ لوگوں کو جُدا کر لیا اور اس طرح ایک جماعت تیار کر لی جس کی مدد سے وہ مسلمانوں کے حقوق کی ایک حد تک نگہداشت کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آئندہ یہی پالیسی مسلمانوں کے لئے مُضر ہوگی۔ دوسری کونسل میں وہ ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہو گئے اور اس وجہ سے لازماً چوہدری چھوٹو رام صاحب جو ہندو زمیندار پارٹی کے سربرآوردہ رُکن تھے اور سر میاں فضل حسین صاحب کے نائب تھے پارٹی کے لیڈر ہو گئے اور مسلمان پارٹی ایک ہندو کی لیڈری میں آگئی۔ اب جو سائمن کمیشن کیلئے انتخاب ہونے لگا تو اس زمیندار پارٹی کو یہ مشکل پیش آئی کہ اگر چوہدری چھوٹو رام صاحب کو ممبر نہیں مقرر کرتے تو اخلاقی الزام آتا ہے کہ ان کی قوم سے انہیں جُدا کر کے اس اہم موقع پر انہیں الگ کر دیا۔ اور پھر یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی تھی کہ پارٹی کا لیڈر اس موقع پر پارٹی کا نمائندہ نہ ہو۔ پس ان اخلاقی اور رسمی ذمہ واریوں سے متأثر ہو کر پارٹی نے چوہدری صاحب کو منتخب کر لیا اور دو مسلمان ممبروں پر کفایت کر لی۔ ایک لحاظ سے تو یہ انتخاب قابل تعریف تھا کیونکہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ مسلمان کی سرشت میں وفاداری ہے اور وہ اپنا بہت بڑا نقصان برداشت کر کے بھی اپنے ہمراہی کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن دوسرے لحاظ سے یہ ایک خطرناک غلطی تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میرے نزدیک مسلمان ممبروں کو چاہیئے تھا کہ جب انہیں معلوم تھا کہ خلافتی اس وقت اسلام

کے مفاد کی نگہداشت پر اپنی ذاتی آراء کو مقدم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں تو وہ چوہدری صاحب کو صاف کہہ دیتے کہ اس وقت ممبروں کا انتخاب مذہبی اصول پر ہو رہا ہے۔ اگر ہم چار ممبر حاصل کرسکتے تو ہم یقیناً آپ کی لیڈری اور رفاقت کا لحاظ کرتے۔ لیکن چونکہ ہم چار ممبر حاصل نہیں کرسکتے اور آپ قومی لحاظ سے مجبور ہیں کہ بعض اسلامی مطالبات کی تائید نہ کرسکیں اس لئے ہم تین مسلمان ممبر منتخب کرنے پر مجبور ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چوہدری چھوٹو رام صاحب کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا اور وہ خوشی سے اس صورت میں معاملات کو قبول کرتے۔ خیر جو کچھ ہوا وہ تو ہوا جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں یہ نقص اس پارٹی سسٹم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو شروع کے زمانۂ اصلاحات سے مسلمانوں نے اختیار کیا ہے۔ اس وقت مسلمان پارٹی کوئی نہیں بلکہ زمیندار پارٹی ہے پس مسلمان اسلامی مفاد کی اس آزادی سے حفاظت نہیں کرسکتے جس قدر کہ اسلامی پارٹی کی صورت میں کرسکتے تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلمان پارٹی کے نام سے ووٹ دیئے جاتے تو غالباً کئی خلافتی ممبر بھی اس کے ساتھ ووٹ دینے پر مجبور ہو جاتے۔

پارٹی کے نظام میں تبدیلی کی ضرورت

قطع نظر موجودہ مشکل کے جو پیش آگئی ہے یہ طریق پارٹیوں کا آئندہ بھی مشکلات پیدا کرسکتا ہے اور اس کے بد اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ جلد سے جلد مسلمان ممبران کونسل موجودہ پارٹی کے نظام میں تبدیل کریں۔ اور میرے نزدیک مسلمانوں کی اقلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ہوگا کہ موجودہ پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ایک مسلم زمیندار پارٹی ہو اور ایک ہندو زمیندار پارٹی ہو۔ ہندو پارٹی چوہدری چھوٹو رام صاحب کے ماتحت ہو اور مسلم پارٹی اپنا الگ لیڈر منتخب کرے۔ جب حکومت کا سوال آئے دونوں پارٹیاں مل کر ملک کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لانے کی کوشش کریں۔ لیکن جہاں خالص مذہبی سوال ہو وہاں مسلم پارٹی آزادانہ طور پر اپنے نمائندے منتخب کرے۔ یورپ میں اکثر ممالک میں اب اتحادی حکومتیں ہیں۔ ایک پارٹی تو بہت ہی کم حکومت کے قابل ہوتی ہے۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے سے مسلمانوں کی آزادی بھی قائم رہے گی اور موجودہ موقع کی طرح کوئی اور موقع پیش آیا تو انہیں ایسی زک نہ اٹھانی پڑے گی جو اب اٹھانی پڑی ہے۔ اور ساتھ ہی ایک ہندو پارٹی بھی ایسی رہے گی جس کے ساتھ مل کر وہ حکومت کو ایسے طور پر چلا سکیں گے کہ وہ چند

"شائی لاکس" کے قبضہ میں نہ جاسکے۔

میرے نزدیک اوپر کی اصلاح کے علاوہ مسلمان پارٹی کو اپنا وہپ سسٹم (WHIP SYSTEM) بھی مضبوط رکھنا چاہئے۔ پچھلے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو کوئی لائق وہپ (WHIP) ہے اور نہ اس کا کام معیّن ہے اور نہ اسے کوئی خاص اختیار ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت پر مسلمان اپنی طاقت کو جمع نہیں کرسکتے اور پراگندہ ہونے کی وجہ سے نقصان اُٹھالیتے ہیں۔ موجودہ موقع پر اگر مضبوط وہپ ہوتا اور وہ حالات کا مطالعہ کرتا رہتا تو مسلمان پارٹی کو چار پانچ ووٹ اور مل سکتے تھے۔ لیکن کام ایسے بے ڈھنگے طور پر ہوا کہ کئی ممبروں کے ووٹ سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا کیونکہ وہ لاہور چھوڑ چکے تھے۔ ایسا ہی موقع ولایت میں پیش آتا تو ممکن نہ تھا کہ ممبر اپنی جگہ چھوڑ سکتے۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہئے

میرے نزدیک پارٹی کی اصلاح تو ہوتی رہے گی۔ ہمیں اب یہ سوچنا چاہئے کہ جو غلطی ہو چکی ہے اس کا کیا علاج کیا جائے۔ بعض لوگ اس کا علاج یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان ممبر استعفیٰ دے دیں۔ اگر گورنمنٹ نے انہیں منتخب کیا ہوتا تو یہ تدبیر معقول کہی بھی جاسکتی تھی لیکن موجودہ حالات تو خود مسلمانوں نے پیدا کئے ہیں وہ استعفیٰ کس کے خلاف احتجاج کرنے کیلئے دیں۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ ان کے استعفیٰ دینے سے مسلمانوں کی نمائندگی مضبوط ہو جائے گی تو پہلے اس کے متعلق سوچ لینا چاہئے کہ آیا ایسا ہوگا بھی یا نہیں کیونکہ اگر ان لوگوں کے استعفیٰ دینے سے کوئی مفید تبدیلی نہیں ہو سکتی تو استعفیٰ دینا فضول ہوگا بلکہ مُضر۔

سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کے استعفیٰ دینے پر مسلمانوں کو پھر ممبر منتخب کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں تین سوالوں پر غور کرلینا چاہئے۔ اول یہ کہ کیا انتخاب ہو چکنے کے بعد گورنمنٹ نئے ممبروں کے انتخاب کی اجازت دے گی۔ دوم یہ کہ انتخاب کونسل سے تعلق رکھتا ہے اور کونسل کے اجلاس اب بند ہو چکے ہیں۔ وہ دوبارہ اسی وقت جمع ہوگی جب سائمن کمیشن (SIMON COMMISSION) آچکا ہوگا۔ تو اس صورت میں مسلمانوں کے نمائندوں کو کون منتخب کرے گا۔ سوم یہ کہ انتخاب ممبران ساری کونسل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مسلمانوں سے۔ فرض کرو گورنمنٹ نئے انتخاب کی اجازت بھی دے دے۔ اور فرض کرو کہ وہ کونسل کا اجلاس بھی کردے تو بھی یہ سوال باقی ہے کہ جب کہ

ہندوؤں، سکھوں اور یورپین کا انتخاب ہو چکا ہے اور ان کے ووٹ آزاد ہو چکے ہیں تو کیا وہ اپنے ووٹوں کے زور سے ایسے تین مسلمانوں کا انتخاب نہ کرا دیں گے جو مسلمانوں کے لئے مضر ہوں گے اور ان کی رہی سہی طاقت بھی ٹوٹ جائے گی۔ غرض ہمیں پورا فیصلہ کرنے سے پہلے ان تین سوالوں پر غور کر لینا چاہئے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان اس کمیٹی میں شامل ہی نہ ہوں۔ لیکن میں اس کی تائید نہیں کر سکتا کیونکہ یہ نمائندے عدم تعاونیوں کے نہیں ہیں بلکہ تعاون کرنے والوں کے ہیں اور عدم تعاون کی پالیسی کا اختیار کرنا ان کے لئے جائز نہیں۔ علاوہ ازیں یہ عقل کے بالکل بر خلاف ہو گا کہ ہم دو ممبریوں پر ناراض ہو کر جب کہ یہ دو ممبریاں ہماری ہی غلطی کے سبب سے ملیں بالکل ہی شمولیت نہ کریں اور میدان بالکل ہندوؤں کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اور خصوصاً اس صورت میں جب کہ فیصلہ کثرت رائے پر نہیں ہے بلکہ فیصلہ ولایت کی پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ پس اس غلطی پر جو ہو چکی افسوس کرتے ہوئے کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہوا ہے اس سے بہتر سے بہتر کام لیں اور اپنی تعداد کی کمی کو اپنی محنت اور خیر خواہی اور خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کر کے پورا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک جلسہ کی ضرورت

میرے نزدیک اس وقت بہتر سے بہتر پالیسی یہ ہو گی کہ جو لوگ اس وقت سائمن کمیشن (SIMON COMMISSION) میں جانے کی تائید میں ہوں ان کے مُخْتَلِفُ الْخَیَال گروہوں کے سربر آوردہ اصحاب کا ایک جلسہ کیا جائے اس میں کونسل کے نمائندے بھی ہوں اور مقتدر اسلامی اخبارات کے نمائندے بھی۔ اس جلسہ میں حالت موجودہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے۔ اور سب حالات جو موجودہ حالت کے پیدا کرنے کا موجب ہوئے ہیں ان کو بھی معلوم کیا جائے۔ اور پھر اس نتیجہ پر پہنچنا چاہئے کہ اب اسلامی فوائد کے لئے کونسا طریق زیادہ مفید ہو گا۔ اگر یہی ثابت ہو کہ اسلامی فوائد کے لئے یہی مفید ہو گا کہ کوئی مسلمان ممبر شامل نہ ہو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب بہ خوشی استعفیٰ دے دیں گے۔ اور میں کامل امید رکھتا ہوں کہ سردار سکندر حیات خان صاحب اور چوہدری چھوٹو رام صاحب بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ان لوگوں کا پرانا رویہ ہر طرح اطمینان کا یقین دلاتا ہے۔ اس عرصہ میں ہمیں یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ اب جب کہ کونسل کے اجلاس ختم ہو چکے ہیں اور انتخاب کا فیصلہ ہو چکا ہے گورنمنٹ

سابقہ فیصلہ میں کسی تبدیلی پر رضامند ہوگی یا نہیں۔ اگر گورنمنٹ اس پر راضی ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ کچھ مشکل نہیں کہ تبدیلی کی جاسکے۔ کم سے کم ایک ممبر کی طرف سے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ کسی مناسب تبدیلی میں روک نہیں ڈالیں گے بلکہ اس کے پیدا کرنے کیلئے پوری سعی کریں گے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میری اس تجویز پر مسلمان غور کریں گے۔ اور اس راہ کو اختیار کریں گے جو فتنہ اور فساد سے بچا کر کوئی مفید تجویز پیدا کرنے میں مُمِدّ ہو اور ایسا طریق اختیار نہیں کریں گے جو پہلے ہی سے پراگندہ شدہ اسلامی طاقت کو اور بھی پراگندہ کر دے۔ میرے نزدیک بعض تجاویز ایسی ہیں جن پر چل کر اگر گورنمنٹ کی طرف سے دقّت نہ ہو تو موجودہ صورت کو بدلا جاسکتا ہے لیکن انہیں شائع کرنا میں پسند نہیں کرتا۔ اگر ایسا اجتماع ہو جس کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں تو اس وقت میں انہیں ظاہر کرسکتا ہوں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ۔ قادیان

۲۱ مئی ۱۹۲۸ء

(الفضل ۲۹ مئی ۱۹۲۸ء)